جناب بشیر محمود اختر صاحب

قرآن
اور
کتب سماوی کی تصدیق و ترجمانی

یہ عقیدہ ایک مسلمان کا جزو ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی راہ نمائی کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء بھیجے۔ اور ان میں سے بعض پر بذریعہ وحی کتابیں نازل فرمائیں۔ اس سلسلے کی آخری کتاب قرآن مجید ہے جو اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اور ان کے کئی بیانات کی ترجمانی اور توضیح بھی۔ چونکہ سابقہ کتب اب دنیا میں اپنی اصلی اور صحیح الہامی صورت میں موجود نہیں رہیں۔ اس لئے یہ تمام وکمال وہ کتابیں نہیں ہیں جنہیں کلام الٰہی کہا جا سکے۔ البتہ کلام الٰہی کے اجزاء یا اس کی تغیر و تحریف شدہ صورت بھی کسی حد تک ان میں شامل ہو تو بعید از قیاس نہیں۔ وہ تورات، زبور اور انجیل جو اللہ تعالیٰ کے پیغام کی صورت میں نازل ہوئی تھی، قرآن کے نزول کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اور قرآن میں درحقیقت وہی کتابیں مذکور ہیں اور وہ انہی کی صداقت کی گواہی دیتا ہے قرآن میں صاف صاف ارشاد ہوتا ہے کہ:

"اور یہ قرآن افترا کیا ہوا نہیں ہے۔ کہ غیر اللہ سے صادر ہوا ہو بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے قبل نازل ہو چکی ہیں۔ اور کتاب کی تفصیل بیان کرنے والا ہے۔ اور اس میں کوئی بات شک و شبے کی نہیں (اور وہ) رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔" (یونس - ۳۷)

اس آیت کے حوالے سے ایک معروف مستشرق ڈاکٹر موریس سیل (Dr. Morris Seale) نے اپنی کتاب "قرآن اینڈ بائبل"[1] کے ایک باب میں بائبل کے ان بڑے بڑے مضامین کو زیر بحث لانے کی سعی فرمائی ہے جن میں سے بعض کے بقول اُن کے قرآن نے تشریح و توضیح کی ہے۔

ڈاکٹر سیل ایک مستشرق، پادری اور معلم ہیں جنہوں نے عربی، عبرانی، عہد نامہ قدیم کے ادب، اسلام اور تصوف کا خصوصی مطالعہ کیا ہے۔ اور چالیس سال شام اور لبنان میں گذارے ہیں۔ بعد ازاں وہ بیروت کے ایک دینیاتی سکول میں تعلیم بھی دیتے رہے۔

---

1. "Quran and Bible": Studies in Interpretation and Dialogue, Croom Helm Ltd: London, 1978.

مندرجہ بالا آیت درج کرنے کے بعد ڈاکٹر سیل اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مشترک معتقدات کو بنیاد بنا کر مسیحیوں اور مسلمانوں میں باہم افہام وتفہیم کی فضا قائم کی جا سکتی ہے۔ ان کی رائے میں پیشتر ازیں اس مقصد کے حصول کے لئے منعقدہ کوششیں اس وجہ سے ناکام رہیں کہ ایک طرف تو مسیحی اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ قرآن میں بہت سارا مواد بائبل سے مستعار لیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف مسلمان اس دعوے پر اڑے ہوئے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے الہام کے علاوہ کسی اور ماخذ سے استفادہ نہیں کیا۔

ڈاکٹر سیل نے اپنے مضمون کے آغاز ہی میں دو بڑی بنیادی باتوں کو اپنی طرف سے بڑی ہوشیاری اور ہنرمندی کے ساتھ بیک جنبش قلم بنیاد کے رکھ دیا حالاں کہ ان دونوں باتوں میں موجود مغالطوں کو رفع کرنا بہت ضروری تھا۔ اس لئے پہلے ان دو نکات پر اختصار سے بات ہو جائے۔

۱۔ پہلا نکتہ یہ کہ مسیحی علماء کے دعوے کے مطابق قرآن کا بہت سارا مواد بائبل سے ماخوذ ہے۔ بائبل دراصل بہت ساری چھوٹی بڑی کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں عہد نامہ قدیم کی انتالیس اور عہد نامہ جدید کی ستائیس کتابیں شامل ہیں۔ بائبل کے مندرجات کو مسیحی عموماً الہامی کلام ہی سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اس میں تورات، زبور اور انجیل کے الہامی پیغامات بھی کسی نہ کسی صورت میں کچھ نہ کچھ اب بھی موجود ومحفوظ ہیں۔ لیکن الفاظ وعبارات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بائبل میں انسانی کلام بھی وقتاً فوقتاً شامل ہوتا گیا ہے۔ اب تو مسیحی علماء بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ کہ اس کے متن میں اختلافات اور تضادات موجود ہیں۔ اور اسے کلی طور پر الہامی یا خطا سے پاک نہیں کہا جا سکتا۔ یہ حقیقت حال اگر پیش نظر رہے تو اصل بات سمجھنے میں بڑی سہولت رہتی ہے کہ تمام انبیائے کرام مختلف ملکوں اور زمانوں میں ایک ہی پیغام لے کر آئے تھے۔ اس ایک پیغام کا منبع ایک ہی تھا اور اس پیغام ربانی کی تعلیمات بنیادی طور پر ایک ہی تھیں۔ البتہ مختلف ادوار میں بعض جزئیات میں معمولی اختلافات کا راہ پا جانا بعید از قیاس نہیں بلکہ بعض معاملات میں ان کا ہونا قدرتی اور ضروری امر تھا۔ پھر قدیم صحف سماوی اپنی اصل شکل وکیفیت میں محفوظ نہیں رہ سکے اور اُن کی تعلیمات کچھ سے کچھ ہو گئیں۔ اسی وجہ سے وہ بنیادی پیغام ان مروجہ صحیفوں میں اپنی اصلیت کے ساتھ سامنے نہیں آسکا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تورات، زبور اور اناجیل کے مقابلے میں جب اہل کتاب قرآن کریم کی تعلیمات اور روایات کو دیکھتے ہیں۔ تو اس شبہے کا اظہار کرنے لگتے ہیں کہ ان کتابوں کی باتیں قرآن میں دہرائی گئی ہیں۔ اور وہیں سے منقول ہیں۔ اصل بات صرف اتنی ہے کہ جب انہی انبیاء و اُمم کی باتیں مذکور ہوں گی جو سابقہ کتابوں میں گذر چکیں تو تو ظاہر ہے کہ وہ واقعات وافکار قرآن میں بھی ضرور آئیں گے۔ کہ اصل مقصد اور پیغام ایک ہی تھا۔ اور اسی کی تکمیل مقصود تھی۔ یہ بحث بالکل الگ ہے۔ کہ انہی بیانات کو جو بائبل کے بعد قرآن میں بھی آئے ہیں۔ تاریخی اور سائنسی طور پر پرکھیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ بائبل کے مقابلے میں قرآنی بیانات کس قدر قطعی، منطقی اور جدید ترین انکشافات

تحقیقات پر بالکل پورے اترتے ہیں۔ اس سلسلے میں مشہور فرانسیسی سائنسدان اور مصنف ڈاکٹر موریس بکائے نے ایسے بیانات کا تقابلی مطالعہ کر کے بتایا ہے کہ بائبل اور قرآن میں ایک ہی مضمون کے بہت سارے بیانات کے موازنے سے ان کے بنیادی اختلافات نمایاں ہوتے ہیں۔ اول الذکر کے بیانات سائنسی لحاظ سے قابلِ قبول نہیں ٹھہرتے جب کہ موخر الذکر کے بیانات جدید معلومات سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ مثال کے طور پر تخلیق اور طوفان نوحؑ کے واقعات کی تفاصیل۔ بائبل کا ایک انتہائی اہم تکملہ قرآن کے متن میں خروج کی تاریخ سے متعلق ہے۔ جہاں دونوں متون اثریاتی تحقیقات کے بہت ہی مطابق تھے۔ یہ تحقیقات حضرت موسیٰؑ کے عہد کی تعیین کے بارے میں ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے موضوعات پر قرآن اور بائبل میں باہم بڑے اختلافات موجود ہیں۔ یہ اختلافات ان سب دعووں کو مسترد کرنے کے لئے کافی ہیں جو محمد (مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر یہ الزام عاید کرنے کے لئے بلا کسی استشہاد کئے جاتے ہیں۔ کہ انہوں نے قرآن کے متن کی ترتیب کے لئے بائبل سے مواد اخذ کیا۔[1]

بہر حال یہ اعتراض اور دعویٰ کہ قرآن کریم کا مواد بائبل سے مستعار ہے، قطعاً قابل اعتنا نہیں ٹھہرتا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو پھر قرآن کی تعلیمات بھی بائبل کے مطابق ہوتیں۔ اور ان میں باہم بنیادی اختلاف و تضاد موجود نہ ہوتا۔

۲۔ ڈاکٹر سیل کا اٹھایا ہوا دوسرا نکتہ یہ کہ مسلمان اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ ان کی کتاب تمام و کمال الہامی ہے۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ بائبل اور قرآن میں اولین و نمایاں ترین نقطۂ امتیاز یہی ہے کہ بائبل میں شامل کتب اپنی اصل اور الہامی صورت میں محفوظ و باقی نہیں رہیں جب کہ قرآن حکیم کا ایک ایک حرف الہامی ہے اور چودہ سو سال گذرنے پر بھی اسی صورت میں محفوظ ہے۔ نہ صرف تحریری شکل میں بلکہ حفظ کی صورت میں بھی۔

مسلمانوں کے ایمان کی یہ ایک بنیادی شرط ہے کہ وہ قرآن کے ساتھ ساتھ کتب سابقہ پر بھی ایمان لائیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کتابیں بھی انبیائے کرام پر بصورت الہام نازل ہوئی تھیں۔ لیکن دست برد زمانہ سے ان کی وہ شکل و حیثیت باقی نہیں رہ سکی۔ اور ان میں تغیر و تحریف کا عمل جاری رہا۔ ان کے مقابلے میں قرآن کریم کی حفاظت کی کئی صورتیں پیدا فرما دیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ اس اعزاز و اختصاص میں دنیا کی کوئی اور کتاب قرآن کریم کے مدمقابل نہیں ٹھہر سکتی۔ اس طرح مسلمانوں کا یہ دعویٰ اور ایمان کہ قرآن کریم سراپا الہام اور اللہ کا کلام ہے، کسی طرح بھی ناقابل قبول یا متنازعہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ان چودہ صدیوں میں

---

[1] The Bible, the Quran and Science: Dr, Maurice Bucaille, P. 251.

اس صداقت کی لاتعداد شہادتیں اور دلیلیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر صرف یہ ایک واقعہ پیش خدمت ہے:۔

ڈاکٹر غریسنیہ پیرس کے ایک معروف اور ہر دل عزیز ڈاکٹر اور فرانسیسی پارلیمنٹ کے رکن تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ میری جوانی سمندری سفروں میں گذری ہے۔ مجھے سمندر کے نظاروں اور سفروں کا گہرا شوق تھا۔ اس کے علاوہ میں مطالعے کا بڑا رسیا تھا۔ چنانچہ مطالعے کا شوق مجھے قرآن کے ایک فرانسیسی ترجمے تک لے آیا۔ اس پڑھتے ہوئے میری نظر میں ایک آیت پر جم کر رہ گئیں۔ جس میں ایک سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اسے میں نے نہایت دلچسپی سے پڑھا۔ اس میں گمراہ لوگوں کی حالت کے متعلق ایک نہایت ہی عجیب تمثیل بیان کی گئی ہے وہ آیت یہ ہے:۔

" یا وہ ایسے ہیں جیسے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے کہ اس کو بڑی لہر نے ڈھانک لیا۔ اس (لہر) کے اوپر دوسری لہر، اس کے اوپر بادل (ہے۔ غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں کہ اگر (کوئی ایسی حالت میں) اپنا ہاتھ نکالے (اور دیکھنا چاہے) تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں اور جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے، اس کو (کہیں سے بھی) نور (نہیں دمیسر ہو سکتا)" [۱]

میرا دل اس تمثیل کی عمدگی اور اندازِ بیان کی واقعیت سے بے حد متاثر ہوا اور میں نے خیال کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور ایسے شخص ہوں گے جن کے دن اور رات میری طرح سمندروں میں گذرے ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سمندری خطرات کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی اس قدر گنتی کے لفظوں میں ایسی جامعیت کے ساتھ خطرات بحر کی صحیح کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد مجھے معلوم ہوا کہ محمد عربی ﷺ اُمّی محض تھے اور انہوں نے زندگی بھر کبھی سمندر کا سفر کا نہیں کیا۔

اس انکشاف کے بعد میرا دل روشن ہوگیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز نہیں بلکہ اس خدا کی آواز ہے جو رات کی تاریکی میں ہر ڈوبنے والے کی بے حاصلی دیکھ رہا ہوتا ہے۔ میں نے قرآن کا دوبارہ مطالعہ کیا اور خصوصاً متعلقہ آیت کا خوب غور سے تجزیہ کیا۔ اب میرے سامنے مسلمان ہوئے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ چنانچہ شرح صدر کے ساتھ کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا [۲]

بہر حال ڈاکٹر سیل کے خیال میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان افہام و تفہیم کا زیادہ مفید طریقہ یہ اختیار کیا

---

[۱] سورۃ نور۔ ۴۰ [۲] تفصیل کے لئے دیکھئے "ہم کیوں مسلمان ہوئے" مرتبہ عبدالغنی فاروق۔ ادارۂ معارف اسلامیہ منصورہ لاہور صفحہ ۱۸۶ - ۱۸۹ ۔ لاہور

جاسکتا ہے۔ کہ بائبل کے جن مرکزی تصورات کو قرآن نے جس انداز سے واضح کیا ہے اس پہ کچھ توجہ صرف کی جائے چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے جن پانچ مضامین کا انتخاب کیا اور ان پر الگ الگ بحث کی۔ وہ بصورت ترجمہ ذیل میں درج ہیں۔

۱۔ خالق کائنات | بائبل کے ابتدائی ابواب کی طرح قرآن میں بھی تخلیق کے عجائبات کا بیان ملتا ہے مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

"بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں۔ آدمیوں کے نفع کی چیزیں (اور اسباب) لے کر اور (بارش کے) پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا۔ پھر اس سے زمین کو تر و تازہ کیا۔ اس کے خشک ہوئے پیچھے اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دئے۔ اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں جو زمین و آسمان کے درمیان مقید (اور معلق) رہتا ہے، دلائل (توحید کے موجود) ہیں، ان لوگوں کے لئے جو عقل سلیم رکھتے ہیں۔ (البقرہ۔۱۶۴)

اسی طرح ایک آیت کا ترجمہ یوں ہے کہ

"پھر ہم نے ہی تمہاری صورتیں بنائیں" (الاعراف ۱۱)

غور طلب بات یہ ہے کہ یہاں عربی لفظ صورۃ (بنانا، شکل دینا) استعمال ہوا ہے۔ جو بعینہ عبرانی لفظ یصر کا مترادف ہے۔ یہ لفظ کتاب پیدائش کی اس آیت میں استعمال کیا گیا ہے۔

"اور خداوند خدا نے زمین کی مٹی سے انسان کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا تو انسان جیتی جان ہوا" (پیدائش ۲ : ۷)

یہ لفظ مٹی کے برتن بنانے والے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ ایک اور لسانی نکتے سے داخلی مماثلت کی وضاحت ہو سکتی ہے۔ قرآن کی یہ آیت دیکھئے :۔

"آپ سے چاندوں کی حالت کی تحقیقات کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ چاند آلہ شناخت اوقات ہیں۔ لوگوں کے اختیاری معاملات مثل عدت، مطالبہ حقوق کے) لئے اور (غیر اختیاری عبادات مثل، حج (روزہ، زکوٰۃ وغیرہ)۔ کے لئے" (البقرہ : ۱۸۹)

اب بائبل کی یہ آیت ملاحظہ ہو :۔

"اور خدا نے کہا کہ فلک پر نیر ہوں کہ دن کو رات سے الگ کریں اور وہ نشانوں اور زمانوں اور دنوں اور برسوں کے امتیاز کے لئے ہوں" (پیدائش ۱ : ۱۴)

دونوں کا بیان ہے کہ اجرام فلکی سورج اور چاند سے سال کے مختلف حصوں کا تعین ہوتا ہے۔ اور موسموں کی آمد کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے لئے عربی لفظ مواقیت (مقررہ اوقات۔ یا موسم) عبرانی لفظ موادیم کا مترادف ہے۔

قرآن اور بائبل دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ انسان اس دنیا میں دیدارِ خداوندی کا متحمل نہیں ہوسکتا چنانچہ بائبل میں ہے۔

(خداوند نے موسیٰؑ سے) یہ بھی کہا کہ تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ انسان مجھے دیکھ کر زندہ نہیں رہے گا۔ (خروج ۳۳: ۲۱)

قرآن کریم کی یہ آیت بھی ملاحظہ ہو:۔

(اللہ تعالیٰ کا) ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ (الاعراف: ۱۴۳)

ابلیس کا ذکر دونوں کتابوں میں قدرے مختلف پیرائے میں ہوا ہے۔ بائبل میں اسے ایک سانپ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ جس نے باغ عدن میں طوفان مچایا۔ قرآن میں وہ ایک مردود شیطان کی حیثیت سے نمودار ہوتا ہے۔ یہ آیت ملاحظہ ہو۔

"پھر شیطان نے (آدمؑ اور حواؑ) دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا۔ اور جس (عیش ونشاط) میں تھے۔ اُس سے اُن کو نکلوا دیا تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں سے) چلے جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہوا اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے" (البقرہ: ۳۶)

پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اُسے طویل عرصے تک کے لئے مہلت دی گئی ہے جیسے کہ ان آیات سے واضح ہوتا ہے۔

"وہ کہنے لگا کہ مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی گئی"

(الاعراف: ۱۴-۱۵)

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام | دونوں صحیفوں میں حضرت موسیٰؑ کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن میں ان کا ذکر کم از کم ۱۹۶ مرتبہ آیا ہے۔ جب کہ حضرت ابراہیمؑ کا حوالہ ۹۶ بار اور حضرت عیسیٰؑ کا صرف ۲۷ مقامات پر۔ حضرت موسیٰ کا امتیاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے براہ راست ہم کلام ہوا۔ اسی لئے انہیں کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

"اور موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا" (النساء ۱۶۴)

اس آیت سے بائبل کے ان بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔

(ا) اور جیسے کوئی شخص اپنے دوست سے بات کرتا ہے۔ ویسے ہی خداوند روبرو ہو کر موسیٰ سے باتیں کرتا تھا۔

(خروج ۳۳: ۱۱)

(ب) اُس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خداوند نے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا۔ (استثنا ۳۴: ۱۰)

قرآن اور بائبل میں حضرت موسیٰؑ کے بچپن میں بچ جانے کی کہانی قدرے مختلف انداز میں ہوئی ہے۔ یہ کہانی

بائبل کی کتاب خروج کی دوسری فصل میں مکمل طور پر ملتی ہے۔ جب کہ قرآنی بیان اس کے مقابلے میں جزوی معلوم ہوتا اس میں تفصیل نہیں ملتی۔ بلکہ اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ یہ قرآنی آیت دیکھئے۔

" اور فرعون کی بی بی نے (فرعون) سے کہا کہ یہ (بچہ) میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس کو قتل مت کرو عجب نہیں کہ (بڑا ہو کر) ہم کو کچھ فائدہ پہنچائے۔ یا ہم اس کو بیٹا ہی بنا لیں۔ اور ان لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ تھی۔" (القصص: ۹)

اس آیت میں بطور خاص یہ نکتہ واضح کیا گیا ہے کہ مصر کے شاہی خاندان نے اس بچے کی پرورش کی جو بڑا ہو کر اُس خاندان کا جانی دشمن بننے والا تھا۔ قرآن یہ بات زور دے کر بیان کرتا ہے کہ رحمتِ خداوندی نے حضرت موسیٰؑ کی امداد فرمائی۔ اس طرح یہ بیان بائبل کے متن کی شرح فراہم کرتا ہے۔

ایک اور مثال جس سے دونوں کتابوں کے انداز تاکید کا فرق معلوم ہوتا ہے، وہ واقعہ ہے جس میں حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے ایک مصری کے مارے جانے کا بیان ہے۔ بائبل میں یہ بات یوں درج ہے۔

" پھر اس نے اِدھر اُدھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اُس مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا۔" (خروج ۲: ۱۲)

قرآن میں حضرت موسیٰؑ کو اپنے کئے پر نادم دکھایا گیا ہے۔

" عرض کیا کہ اے پروردگار! مجھ سے قصور ہو گیا ہے آپ معاف کر دیجئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔" (القصص: ۱۶)

بائبل صرف اتنا بتاتی ہے کہ حضرت موسیٰ اپنے اس عمل کے افشا کے ڈر سے مدین کی طرف چلے گئے۔ اس کے مقابلے میں اس واقعے کی شرح کرتے ہوئے قرآن بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا یہ عمل انہیں احساس ندامت دلاتا ہے۔ جس کے سبب وہ معافی کے خواستگار ہوئے۔

پھر حضرت موسیٰؑ کے مصری جادوگروں کے ساتھ مقابلے کے واقعے سے بھی واضح ہوتا ہے کہ قرآن بائبل کی شرح بیان کر رہا ہے۔ بائبل کی یہ آیت ملاحظہ ہو۔

تب فرعون نے بھی داناؤں اور جادوگروں کو بلوایا اور مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ہی ایسا ہی کیا۔ (خروج ۷: ۱۱)

اب قرآن کریم کی یہ آیات ملاحظہ کیجئے۔

(۱) اور ہم نے موسیٰؑ کو (وحی کے ذریعے سے) حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے (اژدہا بن کر) ان کے سارے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کیا۔ پس (اس وقت) حق (کا حق ہونا) ظاہر ہو گیا اور انہوں نے

جو کچھ بنایا تھا سب آنا جانا رہا۔ (الاعراف: ۱۱۷-۱۱۸)

(ب) سو موسیٰ کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا۔ ہم نے کہا تم ڈرو نہیں، تم ہی غالب رہو گے۔ (طٰہٰ: ۶۷-۶۸)

بائبل میں بتایا گیا ہے کہ مصریوں نے زمین پر جو کچھ پھینکا تھا، وہ سانپ بن گیا، جیسا کہ حضرت موسیٰ کا عصا اژدہا بن گیا تھا: تاہم قرآن میں مصری جادوگروں کو شعبدہ باز دکھایا گیا ہے۔ ان کی رسیاں وغیرہ جاندار اور متحرک دکھائی دینے لگیں۔ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ خوفزدہ ہو گئے۔ لیکن یہ ان لوگوں کے ہاتھ کی صفائی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کا عصا اژدھا بن کر سارا بنا بنایا کھیل نگل گیا۔

کوہ سینا کے دامن میں پیش آنے والے واقعات کے بیان میں بھی بعض مقامات پر بائبل اور قرآن کی باہمی مماثلت ملتی ہے مثلاً اس وقت کا بیان جب حضرت موسیٰ اپنی قوم کو خداوند تعالیٰ سے ملانے کے لئے خیمہ گاہ سے باہر آئے۔ بائبل میں یوں ہے:

"اور موسیٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملائے اور وہ پہاڑ سے نیچے آ کھڑے ہوئے اور کوہ سینا اوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا۔ کیونکہ خداوند شعلے میں ہو کر اس پر اترا۔ اور دھواں تنور کے دھوئیں کی طرح اوپر کو اٹھ رہا تھا" (خروج ۱۹: ۱۷-۱۸)

یہاں بتایا گیا ہے کہ خوف زدہ اسرائیلی پہاڑ کے نیچے (تحت) کھڑے تھے۔ لفظ تحت زبور میں بھی مجازاً زمین کی گہرائی اندرونی حصے یا تاریک جگہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔

جب میں پوشیدگی میں بن رہا تھا اور زمین کے اسفل میں عجیب طور سے مرتب ہو رہا تھا۔ تو میرا قالب تجھ سے چھپا نہ تھا۔ (زبور ۱۳۹: ۱۵)

کوہ سینائی کے واقعے کے بیان میں اس لفظ کے استعمال سے یہی خیال گذرتا ہے کہ پہاڑ عملاً ان لوگوں کے اوپر ایک گنبد کی مانند آن کھڑا ہوا تھا۔ اس کا موازنہ قرآن کی اس آیت سے کیجئے جس میں لفظ رفع (بلند کرنا) استعمال ہوا ہے:

اور ہم نے ان لوگوں سے قول و قرار لینے کے واسطے کوہ طور کو اٹھا کر ان کے اوپر معلق کر دیا تھا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ یوم ہفتہ کے بارے میں تجاوز مت کرنا۔ اور ہم نے قول و قرار نہایت شدید لئے۔ (النساء: ۱۵۴)

اسی طرح یہ آیت دیکھئے۔

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرح ان کے اوپر معلق کر دیا تھا۔ اور ان کو یقین ہوا کہ اب ان پر گرا۔ (الاعراف: ۱۷۱)

اس میں خروج کے بیان کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ لرزاں تھا اور سر پر آن معلق ہوا تھا۔

۳- دس احکام | اہل علم لوگوں نے اس حقیقت کی طرف پوری توجہ نہیں کی ہے کہ موسوی شریعت کے دس احکام کی ایک روایت قرآن میں بھی ملتی ہے۔ اگرچہ وہ قدرے نامکمل صورت میں ہے۔ یوم سبت کو آرام کرنے کا حکم یہاں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس کا ترک کیا جانا تعجب خیز معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ حکم صرف یہودیوں کے لئے مخصوص تھا۔ ملاحظہ ہو سورہ بنی اسرائیل: ۲۳ - ۳۸ - اس کے بالمقابل کتاب خروج کا بیسواں باب اور استثنا ۸ : ۱۴،
۱۵:۷۷ ۲۵ : ۱۵ - اور ۲۷ : ۱۶ نیز گنتی ۱۵: ۳۹

۴- طلائی بچھڑا | بنی اسرائیل کے بچھڑے کی پرستش کرنے کے واقعے سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن نے کس طرح بائبل کے بیان کی توضیح و توجیہہ کی ہے۔ خروج ۳۲ : ۱ میں اس بات کا بیان ملتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو جب کوہ سینائی سے واپسی میں تاخیر ہو گئی تو بنی اسرائیل نے بتوں سے دل لگا لیا۔ بائبل میں اس تاخیر کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ اس کے برعکس قرآن میں بصراحت بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات توقع سے دس راتیں زیادہ رہی۔

اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس شب کا وعدہ کیا اور دس شب کو ان تیس راتوں کا تتمہ بنایا۔ سو ان کے پروردگار کا وقت پوری چالیس شب ہو گیا (الاعراف: ۱۴۲) بائبل کی طرح قرآن میں بھی ممنوعہ بت کی تشکیل میں حضرت ہارونؑ کی حصہ داری کی تصدیق کی گئی ہے۔ دونوں بیانات اس پر متفق ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ نے اس غلطی پہ اپنے بھائی کو بڑی سختی سے ڈانٹا تھا۔ لیکن قرآن میں یہ واضح تفاصیل بھی مل گئی ہیں۔

اور جب موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف واپس آئے۔ غصے اور رنج میں بھرے ہوئے (کیونکہ ان کو وحی سے یہ معلوم ہو گیا تھا) تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی۔ کیا اپنے رب کے حکم (آنے) سے پہلے ہی تم نے جلد بازی کر لی۔ اور (جلدی سے) تختیاں ایک طرف رکھیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے۔ ہارونؑ نے کہا اے میرے ماں جائے (بھائی) ان لوگوں نے مجھ کو بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں۔ سو تم مجھ پر (سختی کر کے) دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور مجھ کو ان ظالم لوگوں کے ذیل میں مت شمار کرو۔ (الاعراف: ۱۵۰)

قرآن نے بائبل کے بعض عقدے بھی حل کر دیئے ہیں۔ مثلاً یہ ایک الجھا ہوا سوال تھا کہ اونٹ کے گوشت جیسی اہم خوراک قانوناً کیوں ممنوع قرار دی گئی تھی۔ جب کہ صحرائی زندگی میں صرف یہی گوشت میسر آنے کا امکان تھا اور اس جیسی بعض اور چیزیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت انسان کی گناہ گاری اور خطا کاری کے سبب بطور سزا کی گئی تھی۔ ملاحظہ ہو یہ آیت۔

سو یہود کے ان ہی بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں، ان پر حرام کر دیں اور بسبب اس کے کہ وہ بہت آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے مانع بن جاتے تھے۔ (النساء ۱۶۰)

۵۔ اور آخری بات ہے قرآن میں حضرت عیسیٰؑ کی حیثیت کے بارے میں۔ حضرت عیسیٰؑ کا ذکر قرآن میں کم از کم ۲۰ بار آیا ہے لیکن مسیحیت اور اسلام میں بنیادی فرق یہ ہے۔ کہ یہاں انہیں الوہیت کا درجہ نہیں دیا جاتا، تاہم وہ نہایت احترام کے لفظوں سے یاد کئے گئے ہیں۔ یہ آیت دیکھئے۔

(اس وقت کو یاد کرو) جب کہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریمؑ! بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمے کی جو منجانب اللہ ہوگا۔ اس کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰؑ بن مریمؑ ہوگا۔ باآبرو ہوں گے، دنیا میں اور آخرت میں اور منجملہ مقربین سے ہوں گے۔ (آل عمران: ۴۵)

قرآن میں بھی حضرت عیسیٰ کو 'کلمہ' کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کا موازنہ انجیل یوحنا کی پہلی آیت سے کیا جا سکتا ہے:

"ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا" (یوحنا ۱:۱)

علاوہ ازیں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے متعلق دوسرے بیان یعنی سورۂ مریم: ۱۹۔۲۱ میں آیت (نشانی) کہا گیا ہے۔

"فرشتے نے کہا کہ یوں ہی (اولاد) ہو جائے گی۔ تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات مجھ کو آسان ہے اور اس طور پر اس لئے پیدا کریں گے تاکہ ہم اس فرزند کو لوگوں کے لئے ایک نشانی (قدرت کی) بنادیں۔ اور باعث رحمت بنادیں۔ اور یہ ایک طے شدہ بات ہے" (مریم: ۲۱)

اس صفت کے لئے لوقا کی انجیل کی اس آیت سے موازنہ کیجئے۔

"یہ اسرائیل میں بہتوں کے گرنے اور اٹھنے کے لئے اور ایسا نشان ہونے کے لئے مقرر ہوا ہے جس کی مخالفت کی جائے گی" (لوقا ۲: ۳۲)

قرآن میں سورۂ آل عمران کی آیت ۴۹ میں حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور یہاں پھر بائبل سے مماثلت کی ایک اور صورت ہمارے سامنے آتی ہے۔ عہد حاضر کے بعض مسیحی یہ کہیں کہ قرآن میں حضرت عیسیٰؑ کو جس انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ وہ ان کے نصف سے زائد معتقدات کے مطابق ہے۔

جو لوگ مسلمانوں اور مسیحیوں کے باہمی مذاکرات میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کے لئے یہ چند مثالیں مزید یہ سمجھنے کے لئے کافی ہوں گی کہ دونوں ادیان میں اشتراک کے حدود خاصے وسیع ہیں۔ انہیں قرآن کے اس دعوے کی بھی توثیق کرنی چاہئے کہ وہ سابقہ صحف سماوی کی تصدیق و توضیح کرتا ہے۔

ڈاکٹر سیل کے خیالات کے مطالعے کے بعد ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے علماء اور محققین بھی اس موضوع پر اظہار خیال فرمائیں تاکہ صحیح صورت حال پوری طرح واضح ہو جائے۔ اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا کرنے میں مدد مل سکے۔